لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ماننا پڑے گا کہ شاہ ولی اللہ کے علوم حکمیہ کی طرف ابھی تک اتنی توجہ نہیں ہوئی جس قدر کہ ہونی چاہئے تھی۔ اس سلسلے میں مولانا عبید اللہ سندھی کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ چوبیس سال کی جلاوطنی کے بعد جب وہ واپس وطن آئے تو انہوں نے آتے ہی خاص طور پر اہل علم کو اس طرف متوجہ کیا اور اپنی زندگی کے آخری دموں تک وہ شاہ صاحب کے علوم حکمیہ کے پڑھنے پڑھانے اور ان پر غور و خوض کرنے کی بڑی شدّ و مد سے دعوت دیتے رہے مرحوم علمائے کرام سے بار بار یہ کہتے تھے کہ آج یورپ کے فکری و عملی انقلاب کو نظرانداز کرنا ناممکن ہے۔ اور اسے سمجھنے، اس کے خیر و شر میں تفریق کرنے اور اس کے اچھے اثرات کو اپنانے اور انہیں عملاً نافذ کرنے کے لئے امام ولی اللہ کے علوم حکمیہ کا مطالعہ بے حد ضروری ہے خدا کا شکر ہے مولانا سندھی مرحوم کی یہ دعوت صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی۔ اور ہمارے علمی حلقوں میں اب شاہ ولی اللہ کے علوم حکمیہ کی ضرورت و اہمیت کا احساس پیدا ہو چلا ہے، اور اہل علم ادھر متوجہ ہو رہے ہیں۔

اس راہ میں ایک بڑی دقّت شاہ صاحب کی اصل کتابوں کی نایابی ہے۔ بے شک ان میں سے بعض کتابیں اردو تراجم کی شکل میں دست یاب ہو جاتی ہیں، لیکن وہ اکثر و بیشتر ناقابل فہم ہیں، اور ان سے کما حقہ استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی یہ کوشش ہے کہ وہ شاہ صاحب کی اصل کتابوں کے متون کم سے کم عرصے میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شائع کرے، لیکن طباعت کی رکاوٹیں اس میں حائل ہو رہی ہیں۔ اس وقت سطعات زیر طباعت ہے۔ اس کے بعد تاویل الاحادیث چھپے گی۔ پھر یکے بعد دیگرے دوسری کتابیں شائع کرنے کا انتظام کیا جائے گا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ کے مطالعے کے سلسلے میں شاہ صاحب کے سوانح حیات اور ان کے افکار و خیالات کے اجمالی جائزے پر ایک ایسی کتاب کی ضرورت ہے جو شاہ صاحب کے علوم دینیہ و حکمیہ کو سمجھنے کے لئے ایک کلید کا کام دے۔ اکیڈمی اس قسم کی کتاب خود تیار کرا کے شائع کرنا چاہتی ہے لیکن ابھی تک اس کا انتظام نہیں ہو سکا پاکستان یا ہندوستان کے کسی اہل قلم نے

نے اگر اس موضوع پر کچھ کام کیا ہو، اور وہ ایسی کتاب مرتب کرنے کا خیال رکھتے ہوں، تو اس ضمن میں اکیڈمی ان سے پورا تعاون کرنے کو تیار ہے۔ شاہ صاحب پر اس قسم کی تحقیقی و جامع کتاب کی فوری ضرورت ہے، اور اسے جلد سے جلد شائع ہونا چاہیئے۔

ان دنوں ہالینڈ سے ایک ڈچ عالم ڈاکٹر بالجن پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے فلسفیانہ و دینی افکار پر تحقیقی کام کرنے کے لئے علمی مواد جمع کر رہے ہیں۔ پاکستان سے وہ ہندوستان بھی جائیں گے۔ موصوف ۱۰ر اکتوبر سے ۲۹ر اکتوبر تک شاہ ولی اللہ اکیڈمی میں رہے۔ یہاں انہوں نے ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سے استفادہ کیا، اور شاہ صاحب کی بعض کتابوں کے بارے میں ڈاکٹر بالجن کی ان دونوں حضرات سے کافی گفت گو رہی۔ موصوف فروری میں پھر یہاں تشریف لا رہے ہیں۔

الرحیم کے سہ ماہی سندھی ایڈیشن کے جملہ انتظامات مکمل ہو گئے ہیں، اب صرف اس کے ڈیکلریشن کا انتظار ہے، جیسے ہی اس کی منظوری آ گئی، الرحیم سندھی شائع ہو جائے گا۔ اسی طرح اکیڈمی کی طرف سے سال میں ایک بار انگریزی زبان میں "الحکمہ" کے نام سے ایک جرنل شائع کرنے کا بھی فیصلہ ہوا ہے۔ اس کے لئے مضامین جمع ہو رہے ہیں، انشاء اللہ "الحکمہ" بھی نئے سال کے شروع میں شائع ہو جائیگا۔ شاہ صاحب کے دو مختصر رسائل "حسن العقیدہ" عربی میں اور "وصیت نامہ" فارسی میں ہے۔ پروفیسر جلبانی صاحب نے اول الذکر کا سندھی میں ترجمہ کیا ہے، جو چند دنوں تک چھپ جائے گا۔ "وصیت نامہ" کا بھی سندھی میں ترجمہ ہو رہا ہے اور وہ بھی عنقریب چھپ جائے گا۔

نے اگر اس موضوع پر کچھ کام کیا ہو، اور وہ ایسی کتاب مرتب کرنے کا خیال رکھتے ہوں، تو اس ضمن میں اکیڈمی ان سے پورا تعاون کرنے کو تیار ہے۔ شاہ صاحب پر اس قسم کی تحقیقی و جامع کتاب کی فوری ضرورت ہے، اور اسے جلد سے جلد شائع ہونا چاہیئے۔

ان دنوں ہالینڈ سے ایک ڈچ عالم ڈاکٹر بالجن پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے فلسفیانہ و دینی افکار پر تحقیقی کام کرنے کے لئے علمی مواد جمع کر رہے ہیں۔ پاکستان سے وہ ہندوستان بھی جائیں گے۔ موصوف ۱۰ر اکتوبر سے ۲۹ر اکتوبر تک شاہ ولی اللہ اکیڈمی میں رہے۔ یہاں انہوں نے ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا اور مولانا غلام مصطفٰے قاسمی سے استفادہ کیا، اور شاہ صاحب کی بعض کتابوں کے بارے میں ڈاکٹر بالجن کی ان دونوں حضرات سے کافی گفت گو رہی۔ موصوف فروری میں پھر یہاں تشریف لا رہے ہیں۔

الرحیم کے سہ ماہی سندھی ایڈیشن کے جملہ انتظامات مکمل ہو گئے ہیں، اب صرف اس کے ڈیکلریشن کا انتظار ہے، جیسے ہی اس کی منظوری آ گئی، الرحیم سندھی شائع ہو جائے گا۔ اسی طرح اکیڈمی کی طرف سے سال میں ایک بار انگریزی زبان میں "الحکمہ" کے نام سے ایک جرنل شائع کرنے کا بھی فیصلہ ہوا ہے۔ اس کے لئے مضامین جمع ہو رہے ہیں، انشاء اللہ "الحکمہ" بھی نئے سال کے شروع میں شائع ہو جائیگا۔ شاہ صاحب کے دو مختصر رسائل "حسن العقیدہ" عربی میں اور "وصیت نامہ" فارسی میں ہے۔ پروفیسر جلبانی صاحب نے اول الذکر کا سندھی میں ترجمہ کیا ہے، جو چند دنوں تک چھپ جائے گا۔ "وصیت نامہ" کا بھی سندھی میں ترجمہ ہو رہا ہے اور وہ بھی عنقریب چھپ جائے گا۔

کشمیری تصوف کا تاریخی پس منظر

سلیم خاں گمی

آسانی کے لئے کشمیری تصوف کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:-

(۱) دورِ اوّل کا کشمیری تصوف افکار و تصوّرات یا اشغال و اعمال کے کسی منضبط، منطقی یا واضح دبستان کا نام نہیں ہے، یہ ایک ایسا آمیزہ ہے جس کے اجزاء میں ناگ مت کی رسومات، برہمن مت کی عزلت پسندی، بدھ مت کی رہبانیت، اور شومت کی تصوریت شامل ہے۔ یہ نظریات و عقائد کا ایک جنگل ہے، جو توہمات کی پُرخار جھاڑیوں سے اٹا پڑا ہے۔ اس جنگل میں تلاش حق کی سعی بے سود ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جو ژولیدہ نگاہی اور انتشار ذہنی کی طرف لے جاتا ہے۔

(۲) دوسرے دور کا کشمیری تصوف خالصتاً اسلامی تصوف ہے جو ایران کے صلحاء و اتقیاء کے وعظ و تبلیغ کے طفیل خطۂ فردوس نما میں اشاعت پذیر ہوا اور دور اوّل کے سلبی متصوفانہ افکار و تصوّرات پر غالب آیا۔ اس عہد کے صوفیائے کرام و مبلغین عظام میں سید شرف الدین بلال شاہؒ (سید عبدالرحمٰن بلبل شاہ) اور شاہ ہمدانؒ سرفہرست ہیں۔

---

۱ - سلیم خاں گمی۔ آزاد کشمیر ریڈیو تراڑکھل میں پروگرام آرگنائزر اور اردو کتاب "کشمیر، ادب و ثقافت" کے مصنف ہیں۔

تیسرے دور کا کشمیری تصوّف وہ ہے جس کے بانی شیخ نورالدین نورانیؒ عرف نُندرشی ہیں۔ اصل میں یہی وہ دور ہے، جس میں کشمیری مقامی تصوّف پروان چڑھا۔ اس دور کا تصوّف پہلے اور دوسرے دور کے متصوفانہ افکار و تصوّرات کی پیوندکاری اور آمیزش کا نتیجہ ہے۔ یہی وہ اصل کشمیری تصوّف ہے جو نہ تو بدھ مت یا ہندو مت سے لگّا کھاتا ہے اور نہ خالصتاً اسلامی تصوّف ہے۔ اس کے برعکس یہی وہ دبستان تصوف ہے جس میں اسلامی تصوف کے صحت مند افکار کے پہلو بہ پہلو بدھ مت کی رہبانیت، برہمن مت کی عزلت پسندی، اور شومت کی تصوریت ملتی ہے۔ یہی وہ کشمیری تصوّف ہے، جس نے اہل کشمیر کو سر والٹر لارنس (مصنف ویلی آف کشمیر) کے الفاظ میں ایذا پسند اور ظلم پرست بنا دیا اور اقبالؒ کو کہنا پڑا۔ ع

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیّری

ڈاکٹر جی۔ ایم۔ ڈی، صوفی (مصنف کشیر KASHIR) اہل کشمیر پر تصوف کے اس مکتب کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سات سو سال تک بدھ مت کی ویدانت کی تعلیم کو اور ایرانی ماخذ سے سرایت کرنے والے اسلامی تصوف کو کشمیر نے سر آنکھوں پر بٹھایا ہے پیروں اور پنڈتوں نے لئے توہم پرست بنانے کی کوشش بھی بڑے زور شور سے کی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ تصوف اور وہم اب ایک کشمیری کی فطرت میں رچ گئے ہیں۔ درحقیقت وہ وہم اور تصوف کی فضا میں سانس لیتا ہے۔ کشمیر کے پیروں اور صوفیوں کے خیال میں طریقت کو شریعت پر ترجیح حاصل ہے لہٰذا اہل طریقت شریعت سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔"

۲

وادیٔ کشمیر کے قدیم ترین آبادکار ناگ مت کے پیروکار ہیں۔ انہیں ناگا اور ناگی کہا جاتا ہے۔ بعض محققوں کا خیال ہے کہ ناگا لوگ چین کے رہنے والے ہیں جیسا کہ مرزا محمد کاظم برلاس مرادآبادی نے اپنی اردو تصنیف بعنوان "التثلیث" کے صفحہ ۲۵۸ پر لکھا ہے کہ تواریخ چین سے ثابت ہے کہ ساکنانِ خطا کو ناگ کہتے ہیں اور وہ ہندوستان میں آریہ لوگوں کے ہمراہ پہنچے۔ ڈاکٹر جی ایم ڈی صوفی کو اس دعوے سے اختلاف ہے آپ اپنی انگریزی تصنیف "کشیر" (جلد اول ص۱۵)، میں لکھتے ہیں کہ آریاؤں کی آمد سے پہلے کشمیر سمیت سارے

ہندوستان میں ناگا لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ اور کشمیر میں بدھ مت کی اشاعت سے پہلے اور بعد اس فرودس نما وادی میں ناگ پوجا کے آثار و علائم ملتے ہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کشمیر میں ناگ پوجا کرنے والے لوگ تہذیب و ثقافت کے کس دور میں تھے۔ اور ان کی معاشرت کی نوعیت کیا تھی۔ تاہم پتہ چلتا ہے کہ ناگا لوگ دیوی دیوتاؤں کے طور پر سانپوں اور اژدہوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ان کے سردار اعلیٰ کا نام نیل تھا۔ جس نے نیل مت پران تحریر کیا۔ اس پران میں نیل کی نیک ہدایات ملتی ہیں۔ ڈاکٹر جی ایم ڈی صوفی "کشیر" (جلد اول صفحہ ۳۵) میں لکھتے ہیں کہ کشمیر کے مشہور عالم مؤرخ پنڈت کلہن نے کشمیر کی تاریخ پر کتاب بہ عنوان "راج ترنگی" تحریر کرنے میں نیل مت پران سے استفادہ کیا تھا۔ جیمز فیر گارسن (مصنف درخت اور سانپ کی پوجا) کا خیال ہے کہ ناگا لوگ تورانی نسل سے ہیں۔ جو شمالی ہند میں اقامت پذیر تھے۔ جب آریا لوگ شمالی ہند میں وارد ہوئے تو انہوں نے ناگ پوجا کرنے والوں کو شکست دی۔ ڈاکٹر سی ایف اولڈھم (مصنف سورج اور سانپ) کی رائے میں ناگا لوگ اپنے آپ کو آفتاب کی اولاد تصور کرتے ہیں اور سانپ کا پھن ان کا قبائلی نشان ہے۔

جدید تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ ناگا لوگ چین، جاپان، فلپائن، نیپال اور ہندوستان کے قدیم ترین باشندے ہیں۔ جب آریہ لوگ شمالی ہند میں داخل ہوئے تو انہوں نے کولوں دراوڑوں اور ناگاؤں کو شکست دے کر ان کی ثقافت کو ختم کر دیا۔ مگر ہندوستان کے یہ قدیم باشندے قطعی طور پر ختم نہ ہو سکے۔ اور مغربی ہند کی طرف نکل گئے۔ آسام میں بھیل گونڈ اور ناگا لوگ اب بھی پائے جاتے ہیں۔ کشمیر میں ناگاؤں نے سوا تین سو سال (۶۲۷ء سے ۹۴۸ء تک) حکومت کی ہے۔ کشمیر کے کراکوٹہ خاندان کے حکمران ناگ مت کے پیرو کار تھے۔

ناگ مت کے بعد کشمیر میں ہندو دھرم کا اقتدار ہوا۔ شمالی ہند میں آریاؤں کی آمد سے لے کر ۲۷۲ ق م تک کشمیر میں ہندو دھرم کے راجاؤں نے حکومت کی ۲۷۲ ق م میں موریہ خاندان کا حکمران اشوک کشمیر میں برسر اقتدار آیا۔ چونکہ وہ خود بدھ مت کا پیرو کار تھا اس لئے بدھ مت کو وادی میں بے پناہ فروغ حاصل ہوا۔ تاہم ناگ مت اور برہمن مت کے ماننے والوں کو اشوک کی طرف سے کوئی گزند نہ پہنچا۔ انگریزی کتاب "کشمیر اور لداخ میں بدھ مت" کے مصنف جے این گنہار اور پی این گنہار کا خیال ہے کہ کشمیر میں

بدھ مت کا پہلا پیروکار حکمران اشوک نہیں سرندر تھا۔ سرندر کے بعد گودھارا اور گودھارا کے بعد اس کا بیٹا جنک کشمیر کا حکمران بنا۔ جنک کی موت کے بعد کشمیر پر شاچی نارا نے حکومت کی۔ اور اشوک نے اس حکمراں کے بعد کشمیر پر قبضہ کیا۔ اشوک نے ۲۷۲ ق م سے ۲۳۱ ق م تک حکومت کی اس کے بعد کشمیر میں شیومت کا پیروکار جلوکا برسر اقتدار آیا۔ کشمیر میں بدھ مت کو دوسری بار کنشک کے زمانہ میں ترقی نصیب ہوئی، جس نے ۷۸ء سے ۱۲۳ء تک حکومت کی۔

۱۷۸ء میں کشمیر میں کشن خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور بدھ مت کے فروغ کے امکانات ختم ہو گئے جب ۱۷۸ء میں کشمیر میں ہندو دھرم پھر برسر اقتدار آیا تو گوندا خاندان کے چھٹے حکمراں نارا نے بدھ مت کے ہزاروں دہاروں اور خانقاہوں کو نذر آتش کر دیا۔ کشمیر میں ہندو دھرم کے احیا کا دور بدھ مت کے پیروکاروں پر ظلم و تعدی کا دور ہے۔

۱۷۸ء سے لے کر ۱۳۲۰ء تک کشمیر پر گوندا خاندان (ہندومت) سفید ہنوں (لامذہب) کراکوٹہ خاندان (ناگ مت) اور لوہارا خاندان (ہندومت) نے حکومت کی۔ اس عہد میں کشمیر مختلف مذاہب اور ادیان کی رزم گاہ بنا رہا تاہم اس سارے دور میں ہندو دھرم کا پلہ بھاری رہا۔ اس عہد میں ہندو دھرم کی حیثیت برہمن پرستی سے زیادہ نہ تھی۔ خدا تک پہنچنا یا خدا کو پانا آسان نہ تھا۔ برہمن اور پروہت خدا اور انسان کے درمیان سنگ راہ کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ ہندو راجے اور حکمراں اخلاق باختہ ہو چکے تھے۔ اور برہمن ان حکمرانوں کے پشت پناہ تھے۔ معاشرہ بدکردار پنڈتوں اور عیش کوش حکمرانوں کے چنگل میں سسک رہا تھا۔ حصول اقتدار کی جنگ محلوں، مندروں اور رقص گاہوں میں لڑی جا رہی تھی۔ سپہ سالار بددیانت تھے، اور سپاہی بزدل۔ ان حالات میں لداخ کا ایک شہزادہ رنچن کشمیر میں آیا اور سیاسی مخالفوں کو مات دے کر ۱۳۲۰ء میں کشمیر کا حکمراں بن گیا۔ وہ بدھ مت کا پیرو تھا مگر بدھ مت کی تعلیمات سے وہ روحانی تسکین حاصل نہ کر سکا۔ آخر اس نے اسلام کی طرف رجوع کیا۔ اور ایک مسلمان مبلغ سید شرف الدین (بلبل شاہ) ترکستانی کی دعوت پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ اور اپنا اسلامی نام سلطان صدرالدین رکھا۔ مسلمان کشمیر میں ۱۳۲۰ء سے ۱۸۱۹ء تک برسر اقتدار رہے۔ ۱۸۱۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر پر

قبضہ کیا۔ ۹ رمارچ ۱۸۴۶ء میں انگریزوں نے سکھوں سے ریاست جموں وکشمیر تاوانِ جنگ کے طور پر حاصل کی اور ایک ہفتہ بعد یعنی ۱۵ رمارچ ۱۸۴۶ء کو ۷۵ لاکھ نانک شاہی سکوں کے عوض جموں کے ہندو راجپوت گلاب سنگھ ڈوگرہ کے ہاتھ فروخت کردی۔

۳

کشمیر میں اسلام کی اشاعت سے پہلے (تیرھویں صدی عیسوی میں) انتشار کی کیفیت برپا تھی بدھ مت اور برہمن مت کے افکار و تصورات باہم دست و گریباں تھے۔ اس کشاکش نے شومت کو جنم دیا جو بعض امور میں ناگ مت سے قریب ہے۔ بے محل نہ ہوگا اگر یہاں شومت کے نظامِ فکر اور طریقِ عبادت کو ذرا تفصیل سے بیان کردیا جائے۔

شومت کے دو دبستانِ خیال ہیں:۔

۱:۔ کشمیری شومت جسے تصوراتی (IDEALIST) شومت کہا جاتا ہے۔

۲۔ دکنی یا تامل شومت جسے حقیقت پسندانہ (REALIST) شومت کہا جاتا ہے۔

کشمیری شومت کے افکار و تصورات کی توضیح واسوگپتا کلاتابٹ (KALATTABHAT) سوم آنند، اتپال دیو، ابھی نار گپتا اور جیارتھ نے کی ہے۔

دکنی شومت کے شارحین کے نام ہیں (۱) سدیو جیونس (۲) رام کنتھ (۳) نارائین کنتھ۔

شومت کے پیروکار خدا کو شو کا نام دیتے ہیں۔ شو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں وہ رحیم بھی ہے اور قہار بھی۔ وہ ایک ہے اور اس کا کوئی ساتھی یا شریک نہیں۔ کائنات اور کائنات کی ہر شے، ہر عنصر اور ہر مظہر خدا کی ذات کا پرتو ہے۔

روح غیر مادی ہے۔ لافانی ہے اور علم و عرفان ہی روح کی غایت اولیٰ ہے۔

مرد و زن میں کوئی تفاوت نہیں۔ ان کے حقوق مساوی ہیں۔ ذات پات اور رنگ و نسل کے امتیازات فضول ہیں۔ برہمن اور شودر کی روحیں یکساں طور پر عظیم روح (پرماتما، شو) میں جذب ہوسکتی ہیں۔

شومت کے چھتیس اصول ہیں۔ ان اصولوں کو تتوے کہا جاتا ہے ان میں پانچ بنیادی اصول یا عناصر کائنات ہیں:۔

۱- وایو (ہوا) (۲) اگنی (آگ) ۳- جل (پانی) ۴- بھومی (مٹی) ۵- آکاش- آسمان (انگریزی میں ایتھر کہا جائیگا)

یہ پانچ عناصر مادہ (پراکرتی) کی تشکیل میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

علم (گیان) کے پانچ کارکن (اندری) ہیں۔

۱- لوچن - (آنکھ) رنگ کے لئے ۲- کنڑد- (کان) آہنگ کے لئے (۳) ناسکا - (ناک) بوباس کے لئے۔ (۴) جہیا - (زبان) ذائقہ کے لئے (۵) توچا- (چمڑی) لمس کے لئے۔

عمل - (کرم) کے بھی پانچ کارکن (اندری) ہیں

(۱) ہاتھ- (کر) ۲- پاؤں (پیر) ۳- مقعد (گدا) ۴- عضوِ تناسل (لنگ) ۵- منھ (مکھ)

جیو- روح کے تین بندھن ہیں-

۱- گناہ (انیائے) ۲- عمل (کرم) ۳- کثافت - (مایا)

روح (جیو) کی آزادی کے لئے جہالت سب سے بڑا اور مضبوط بندھن ہے- اسے تین طرح سے ختم کیا جاسکتا ہے

۱- مشاہدہ (چاریا) ۲- عمل (کریا) ۳- ریاضت (یوگا)

جیون مکتی - (آزاد زندگی) کے لئے ضروری ہے کہ گیان اور کرم کی اندریوں سے کام لے کر جیو کو نجات دلائی جائے۔

"روح کی نجات کے اس طریق فکر کا لابدی نتیجہ یہ ٹھہرا کہ انسان عبادات اور غور و فکر کی تمام صورتوں کو عرفان کے تابع کرتا ہے۔ بلکہ جب عرفان حاصل ہو جاتا ہے تو مشاہدہ اور عبادات کو بھی ترک کر دیتا ہے۔ جیون مکتی کی حالت میں انسان کو کسی قسم کا کوئی کام بھی سرانجام نہیں دینا چاہیئے [1]

ARTICLE BY S.S. SURYANARAYANA ENTITLED "THE PHILOSOPHY OF SAIVISM" IN THE CULTURAL HERITAGE OF INDIA VOLUME II PUBLISHED BY RAMAKRISHNA CENTENARY COMMITTEE, CALCUTTA.

شومت اور ترکاؔ فلسفہ کے بارے میں میرے ایک استفسار پر شیخ محمد مہدی لکھتے ہیں۔

(TRIKKA) ہندو فلسفہ میں کشمیر سے مخصوص مکتب خیال کا نام ہے۔ ہندو فلسفہ ایک تثلیث (TRINITY) کے گرد چکر کاٹتاہے۔ وہی آتما، پرماتما، اور پرکراتی۔ یعنی خدا۔ روح اور مادہ شومت میں اس تثلیث کے اقانیم کے مترادف تین "پ" سے شروع ہوتے ہیں۔ "پتی" (خدا) "پاسو" (روح) اور "پاسم یا پاسا" (مادہ یا تقیدات)

شومت عموماً حقیقت پرست (REALIST) تسلیم کیا جاتاہے۔ اور کثرت (PLURALISTIC—VIEW) کا داعی ہے۔ خیال کیا جاتاہے کہ شومت ہندوستان کا قدیمی مذہب ہے اور آریاؤں سے قبل رائج تھا۔ لیکن حقیقت پسندانہ تخیل[2] جس کو اب "سیوا سدانتا" کہتے ہیں، آریائی ثقافت سے متاثر ہونے کے بعد وجود میں آیا۔ "سیوا سدانتا" آخری ثابت شدہ حقائق کے ہم معنی ہے۔ سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ سیوا، خدا، یا "وجودِ مطلق" تجزیہ کے بعد تین اقانیم سے مرکب ہے۔

TRIKKA نے کشمیری شومت میں یہ ترمیم کی ہے کہ یہ تینوں اقانیم ایک ہی ہیں۔ اور سیوا یا "وجود مطلق" کے بارے میں یہ کہا ہی نہیں جاسکتا کہ وہ مذکر ہے یا مونث کیا ہے۔ کیا نہیں۔ وہ ہمہ تن ہستی ہے۔ جو کسی محمول (PREDIC TE) کو قبول ہی نہیں کرسکتا۔

اس کشمیری مکتب خیال میں دوسری ترمیم یہ ہوئی کہ عام شومت تینوں اقانیم کو "موجود فی الخارج" (BXTERNALLY EXISTENT) مانتاہے۔ کشمیری شومت بھی اس کو تسلیم کرتاہے۔ لیکن ترکاؔ اس کا داعی ہے۔ کہ اشیاء ایک ذہن میں موجود ہیں بلکہ ایک ذہن ہی ہے جو خارج میں موجود ہے۔ ہمارا ذہن (HUMAN MIND) اسی ذہن کا ایک پرتو ہے۔ بلکہ دونوں باعتبارِ خواص "واحد" (IDENTICAL) ہیں۔ فقط فرق

---

[2] فلسفیانہ نظام فکر

اطلاق (ABSOLUTE) اور "تقیید" (LIMITS) کا ہے
یہی "تقیید" و اطلاق کی اضافی نسبت (BONDS) یا "مادہ" ہے چونکہ تینوں موجود ہیں اور تینوں ذہنی (دوذہنی ایک اضافی) ہیں اس لئے حقیقت ہیں اور تصور بھی۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیری ترکا کو REALISTIC IDEALISM کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر کشمیری ترکا "وجود مادی" کا قائل نہیں۔ بلکہ وجود ذہنی کا معتقد ہے۔

اس مکتب خیال میں تینوں کو ایک سمجھا گیا ہے۔ اس لئے یہ TRIKKA تین کا ایک ہونا کہلاتا ہے۔

اس مکتب کا داعیٔ اوّل داسوگپتا تھا، وہ مرگیا لیکن کوئی کتاب نہ چھوڑی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے ایک شاگرد "کلاتا" نے اس نظریہ کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔

اس مسلک میں حقیقت شناسی ریاضت (یوگ) سے ممکن ہے۔ ریاضت ہی سے "محدود" یا "مقید ذہن" "غیر محدود" یا "مطلق ذہن" کا شعور حاصل کرسکتا ہے۔

اس بازیافت کا آخری ثمرہ "ارادہ مطلق" ہے۔ جس سے "اولیاء" یا "بڑے یوگی" کرامات دکھاتے ہیں۔
ترکا فعل (ACTION) کا قائل ہی نہیں۔ (ACTION) ترکا میں ارادہ کے پھیلاؤ کا دوسرا نام ہے۔ یعنی "آزاد ارادہ" (ABSOLUTE FREE WILL) کا حصول انسانیت کا آخری مقام سمجھا جاتا ہے۔ یہ تخیل نویں صدی عیسوی میں ظاہر ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلم صوفیاء کے فکر سے یہ خیال متاثر ہے۔

شنکراچاریہ جو معتزلہ اور صوفیا کے افکار سے متاثر تھا، آٹھویں صدی کے آخر میں گذرا ہے اس کا انتقال کشمیر ہی میں ہوا۔ اگر داسوگپتا کی تاریخ ولادت کو نویں صدی میں تسلیم کیا جائے تو اسلامی تصوف کے اثرات اور روابط کے لئے ہمیں تاریخی بنیاد مل جاتی ہے۔

۴

کشمیر میں اسلام یوں تو ۱۳۲۰ء میں برسراقتدار آیا۔ یعنی بدھ مت کا پیرو فرماں روائے کشمیر راجہ رنچن شاہ (سلطان صدرالدین) مسلمان ہوا مگر کشمیر میں مسلمانوں کی آمد آٹھویں صدی عیسوی میں ہی شروع ہوچکی تھی۔ کشمیر میں داخل ہونے والا پہلا مسلمان غالباً حمیم بن سامہ تھا۔ جو وطنیت کے اعتبار سے

شام کا باشندہ تھا اور سپاہی کی حیثیت سے سندھ میں مقیم تھا۔ اس کے بعد کشمیر کی وادئ مینو سواد میں مسلمان مبلغین آہستہ آہستہ داخل ہونے لگے کیونکہ اسلام چین، چینی ترکستان، کابل اور شمالی ہند میں پھیل چکا تھا۔ انہی مبلغوں میں سے سیّد شرف الدین ترکستانیؒ (بلبل شاہ) تھے جن کی تبلیغ سے رنچن شاہ مسلمان ہوا۔ آپ کے بعد کشمیر میں ایران کے سات سو سیّد مبلغ تشریف لائے جنہوں نے کشمیر میں اشاعت اسلام کا نیک کام کیا۔ ان مبلغوں میں میر سیّد علی ہمدانیؒ (شاہ ہمدان) کا مقدس نام سرفہرست ہے۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے میر محمد ہمدانیؒ نے کشمیر میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے خدمات سرانجام دیں۔ آپ کے ہمراہ ایران سے تین سو سیّد مبلغ کشمیر میں تشریف لائے۔ یوں ایران سے کشمیر آنے والے سیّد مبلغوں کی تعداد ایک ہزار تک پہنچتی ہے۔ یہ مبلغ نہ صرف عالم تھے بلکہ متصوفانہ افکار و تصورات کے حامل بھی تھے۔ اس لئے کشمیر میں ان گرامی قدر مبلغوں کی وساطت سے نہ صرف اسلامی شریعت کی اشاعت ہوئی بلکہ اسلامی تصوف کے امکانات بھی پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر جی ایم ڈی صوفی اپنی انگریزی تصنیف "کشیر" (جلد اوّل صفحہ ۹۴) میں لکھتے ہیں کہ ان سیّد مبلغوں اور ان کے پیروکاروں نے کشمیر میں تصوف کے رجحان کو تقویت دی۔ اور اس تقویت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ بدھ مت اور ویدانت نے پہلے ہی ایران کی راہ سے آنے والے اسلامی تصوف کے لئے راستہ ہموار کر دیا تھا۔

پروفیسر محب الحسن اپنی انگریزی تصنیف "کشمیر عہد سلاطین میں" لکھتے ہیں کہ ان سیّد مبلغوں کی خاص تکریم کی جاتی تھی۔ بادشاہ اور امراء ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ان میں سے کچھ تو فقہ کے عالم تھے جن کو قاضی اور مفتی کے عہدے تفویض کئے گئے، کچھ درس و تدریس کے پیشے میں چلے گئے کچھ پیر اور مرشد بن گئے۔ اور یوں ناخواندہ عوام کی روحانی بالیدگی کا باعث بنے۔ اور چند سیّد مبلغ ایسے بھی تھے جو دیہات کی طرف نکل گئے اور کاشتکاری کے فرائض اپنے ذمہ لئے بیہقی سیّدوں نے سیاسیات میں دلچسپی لی اور امراء میں شامل ہو گئے۔

چودھویں صدی عیسوی میں اسلام ریاست جموں و کشمیر کے کونے کونے میں پھیل چکا تھا۔ اور تصوف کے چھ بڑے سلسلے استوار اور قائم ہو چکے تھے۔

یہ چھ سلسلے قادریہ، سہروردیہ، کبرادیہ، نقشبندیہ، نوربخشیہ اور رشی تھے۔ پہلے پانچ سلسلوں کا منبع ایران اور ترکستان کی مملکتیں تھیں۔ لیکن مؤخرالذکر یعنی رشی سلسلۂ تصوف خاص کشمیر سے متعلق تھا۔ جہاں کہیں اور

جب کبھی کشمیری تصوّف کا تذکرہ ہوتا ہے اس سے ہمیشہ رشی سلسلہ تصوّف مراد ہوتی ہے۔

رشی سلسلۂ تصوف کے بانی شیخ نورالدین نورانیؒ ہیں۔ کشمیر کے ہندو آپ کو نُند رشی کہتے ہیں۔ آپ ۷۷ ۱۳ء میں بج بہارا کے قصبہ سے دو میل دور کیموہ کے گاؤں میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام شیخ سالارالدین تھا شیخ سالارالدین متقی اور پرہیزگار انسان تھے اور کشتواڑ کے راجاؤں کے خاندان میں سے تھے۔ شیخ نورالدین نورانیؒ نے ۶۱ سال عمر پائی اور ۱۴۳۸ء میں بعہد بڈشاہ فوت ہوئے۔ آپ کا مقبرہ سرینگر کے جنوب مغرب میں بیس میل کے فاصلے پر چرارشریف میں ہے، جہاں ہر سال عرس منعقد ہوتا ہے۔ آپ کے کثیر تعداد شاگرد تھے۔ جن میں بابا نصیرالدین بابا مام الدین، بابا زین الدین، اور بابا لطیف الدین زیادہ معروف ہیں۔

شیخ نورالدین نورانیؒ پیدا ہوئے تو اپنی ماں (جن کا نام صدرہ ماجی تھا) کا دودھ نہ پیتے تھے کہا جاتا ہے شومت کی مشہور راہبہ اور کشمیری زبان کی شاعرہ للہ عارفہ نے آپ کو اپنی گود میں لیا اور کہا کہ دنیا میں آتے وقت شرم محسوس نہ کی۔ اب ماں کا دودھ پیتے وقت شرم محسوس کرتے ہو۔ اس پر آپ نے اپنی ماں کا دودھ پیا۔

آپ کے دو بھائی تھے۔ دونوں بڑے تھے اور بدقماش تھے۔ چوری چکاری اور لوٹ مار سے گذر اوقات کرتے تھے۔ ایک بار وہ دونوں شیخ نورالدین نورانیؒ کو زبردستی اپنے ساتھ چوری کی واردات کے لئے لے گئے۔ تینوں بھائی ایک گھر میں داخل ہوئے یہ گھر کسی غریب کنبہ کا تھا۔ سردی کا موسم تھا اور گھر والے سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔ آپ نے اپنی لوئی اتاری، ان پر ڈالی، اور باہر چلے آئے۔ بھائیوں نے لوئی کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ لوئی تو میں عریاں جسموں پر ڈال آیا ہوں۔

شیخ نورالدین نورانیؒ کی شادی ہوئی۔ آپ کے دو بچے بھی تھے۔ (لڑکے کا نام حیدر اور لڑکی کا نام زون تھا) مگر آپ نے گھر بار چھوڑ کر جنگل کی راہ لی۔ ماں نے بہتیرا کہا کہ ایسی زندگی اختیار نہ کرو جو صعوبتوں اور مشکلوں کی زندگی ہے لیکن آپ نہ مانے اور آخر ایک غار میں بسیرا کیا اور خدا کی یاد میں محو ہو گئے۔ عبادت اور ریاضت کا یہ عالم تھا کہ کئی کئی دن کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور پانی نہ پیتے تھے۔ آپ نے لکڑی کی روٹی تیار کی ہوئی تھی۔ جب بھوک ستاتی تو لکڑی کی روٹی کو دانتوں تلے دبا لیتے۔

آپ شاعر بھی تھے اور آپ نے اپنے اشعار میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری، عبادت، زہد، ریاضت

نفس کشی، تقدیر کی بالادستی اور رضائے الٰہی پر زور دیا ہے۔ آپ نے اپنے اشعار میں مذہب کے نام پر ریاکاری کرنے والے لوگوں کو بھی ہدف ملامت بنایا ہے۔ اور مغرور اور متکبر مذہبی عالموں پر چوٹیں کی ہیں جب آپ فوت ہوئے تو سلطان زین العابدین بڈشاہ نے آپ کی میت کو کندھا دیا اور آپ کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔

آپ نے آخری عمر میں رہبانیت ترک کردی تھی۔ ہوا یوں کہ جب سید السادات سالار عجم شاہ ہمدانؒ کو معلوم ہوا کہ شیخ نورالدین نورانیؒ گھربار اور بیوی بچے چھوڑ کر جنگلوں کی طرف نکل گئے ہیں تو آپ نے اپنے بیٹے اور خلیفہ میر محمد ہمدانیؒ کو شیخ صاحب کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کو (شیخ صاحب کو) بتائیں کہ اسلام میں گھر بار چھوڑ کر جنگلوں اور بیابانوں کی راہ لینا معیوب ہے۔ شیخ صاحب نے اس پیغام پر صاد کیا اور چرار شریف میں مقیم ہوکر عوام کی ذہنی اور روحانی تربیت کے لئے مدرسہ کھولا۔

شیخ نورالدین نورانیؒ اور ان کا اتباع کرنے والے رشی اور بابا تارک الدنیا ہوکر یاد الٰہی میں محو رہتے تھے گوشت اور مچھلی نہ کھاتے تھے۔ جڑی بوٹیوں اور جنگل کے پھلوں سے پیٹ بھرتے تھے۔ حیوانات اور نباتات کے اتلاف کو ناپسند کرتے تھے۔ جنگلوں اور کھیتوں میں پھل دار اور سایہ دار درخت لگاتے تھے۔ تاکہ عوام ان سے مستفید ہوسکیں۔ انہوں نے عوام کی تہذیب و تربیت کے لئے زیارتیں اور مدرسے قائم کئے۔ عوام اور مقتدر لوگوں پر زور دیا کہ وہ سادہ زندگی بسر کریں۔ کسی کو اذیت نہ پہنچائیں اور مساوات کے نظریہ پر عمل کریں۔ کیونکہ دولت اور اقتدار کو دوام حاصل نہیں ہے۔ کشمیر کے رشی اور بابا منشیات کے استعمال کے خلاف تھے۔ ایک بار شیخ حمزہ مخدومؒ نے ایک شرابی کو اپنی چھڑی سے اتنا پیٹا کہ آخر وہ مر گیا۔

اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں وادیٔ کشمیر میں رشیوں کی تعداد دو ہزار تھی۔ جہانگیر "تزک جہانگیری" میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ ان رشیوں میں مذہبی واقفیت اور علم کی کمی ہے تاہم وہ سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ان میں نخوت نام کو بھی نہیں۔ وہ کسی کو گالی نہیں دیتے۔ وہ آرزو کی زبان کو دراز نہیں کرتے اور جاہ و طلب کے پاؤں کو آگے نہیں بڑھاتے وہ گوشت نہیں کھاتے۔ شادی نہیں کرتے اور کھیتوں میں پھل دار درخت لگاتے ہیں۔ تاکہ لوگوں کا بھلا ہو۔ رشیوں کی تعداد وادی میں دو ہزار کے قریب ہے۔